

انسان کا قتل ناحق

پروفیسر عبدالحمید صدیقی

ہمارے ملک ہی میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں بڑی تیزی کے ساتھ اخلاقی زوال آرہا ہے۔ اس کے نتیجے میں جس افسوسناک انداز سے انسانی جان اور عزت و آبرو کا احترام رخصت ہو رہا ہے وہ ہر اس شخص کے لیے انتہائی پریشان کن ہے۔ جس کے اندر انسانیت کی کوئی معمولی رمتی بھی ہلتی ہے۔ کوئی اخبار اٹھا کر دیکھ لیجیے، آپ کو قتل و عارت کے متعدد واقعات ملیں گے۔ انھیں پڑھنے کے بعد آپ یہ محسوس کریں گے کہ اس سفاکی کے پیچھے اشتعل کی کوئی زبردست وجوہ کلام نہیں کر رہیں، بلکہ نہایت معمولی معمولی باتوں پر بڑی سنگ دلی کے ساتھ قیمتی جانوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ یوں نظر آتا ہے کہ انسانوں کی بستیاں آدمیت سے خالی ہو رہی ہیں اور ان کی جگہ درندگی کا راج قائم ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں آپ ہر قسم کے گروہی اور سیاسی اختلاف سے بلند ہو کر ذرا اس ہولناکی کو بھی نگاہ میں لائیں جس کا مظاہرہ اس دنیا میں ہر روز ہو رہا ہے۔

عام قتل کسی وجوہ

انسانی خون کی یہ ارزانی کسی ہنگامی اور وقتی صورت حال کا نتیجہ نہیں، بلکہ اس کے پیچھے کچھ ایسے عوامل کارفرما ہیں، جن پر انسانیت کے تمام ہمدرد انسانوں کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ کیونکہ اگر اس کا بروقت تدارک نہ کیا گیا تو انسان بڑی تیزی کے ساتھ چلتی کے راستے پر بڑھتا چلا جائے گا۔ پھر چند سالوں میں اس کا انحطاط اس مقام پر پہنچ جائے گا، جہاں سے اسے سنبھالنا تا قریب قریب ناممکن ہو جائے گا۔

جو ملک غیر ملکی حملوں اور دہشتوں کی بم باری سے تباہ ہوتا ہے وہ جلد ہی از سر نو تعمیر ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اس کے اندر بسنے والوں کے حوصلے پست نہ ہوں اور ان میں زندہ رہنے کا جذبہ مضطرب نہ ہو چکا ہو۔ لیکن جس ملک میں انسانیت کا دیوالیہ نکل جائے، جہاں ظلم و ستم اور بد معاشی کا دور دورہ ہو، جہاں ایک بھائی ہی خود اپنے دوسرے بھائی کی چلتی پر مٹا ہو، جہاں کوئی فرد بھی اپنی جان اور عزت و آبرو کو محفوظ محسوس نہ کرتا ہو،

اس ملک کو قدرتی وسائل و ذرائع کی فراوانیاں اور وسیع منصوبہ بندیوں جیسی سے کس طرح بچا سکتی ہیں؟ کسی ملک کی بقا اس کے استحکام اور اس کی ترقی کا دارومدار انسانی آبادی پر ہے۔ انسان کے لیے خوراک، لباس اور دوسری ضروریات زندگی سے کہیں زیادہ اہم زندگی کے تحفظ کے حلقہ اطمینان ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ انسان کا اپنی زندگی کی حفاظت کے حلقہ اطمینان پانی اور ہوا سے بھی زیادہ ضروری ہے، تو یہ زیادہ صحیح ہو گا۔ کیونکہ وہ ہوا، پانی اور زندگی کی دوسری ضروریات حاصل کرنے کی صرف اسی صورت میں خواہش اور کوشش کرے گا کہ جب وہ جینے کے حق سے محروم نہ ہو گا۔ زندہ رہنے کا یہی بھروسہ اس کے اندر جدوجہد کی انگ پیدا کرتا ہے اور وہ خدا داد صلاحیتوں کو ایک خاص نچ اور راستے پر ڈالتا ہے۔ جس شخص کے سر ہر وقت ستم کی تلوار لٹکتی رہے، جسے ہر وقت اپنی جان کے لالے پڑے رہیں اور جو اپنی زندگی کو ہر آن ظالموں کی دست درازیوں کی زد میں سمجھتا رہے، اس کی فکری اور ذہنی صلاحیتیں کسی طرح اجاگر نہیں ہو سکتیں۔ مسلسل خوف و ہراس کی کیفیات سے نہ صرف جذبات میں اور دل میں بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے، بلکہ انسان کی ساری قوتیں مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں۔ خصوصاً جب اس خوف کے سلطان ان اطراف سے پیدا ہونے شروع ہو جائیں، جنہیں وہ اپنی حفاظت کے زبردست مورچے سمجھتا ہو۔

جو حضرات اس [برصغیر پاک و ہند کے پچاس سال سے پہلے] کے حالات پر کچھ بھی نگاہ رکھتے ہیں، وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ انگریز سامراج نے اپنی ساری خامیوں، کمزوریوں اور خود فریبیوں کے باوجود یہاں امن و امان قائم کر رکھا تھا۔ اس نے بلاشبہ ملک کو سیاسی لحاظ سے کچلا اور معاشی اعتبار سے تہ و برباد کیا۔ اس نے معاشرے میں سے بے ضمیر اور خود غرض لوگوں کو بڑی محنت سے تلاش کیا اور پھر انہیں اپنے بھائیوں کا گلا دہانے کے لیے بڑے شرمناک طریقے سے استعمال کیا۔ اس نے دین اور اخلاق کی بیخ کنی کے لیے ہر انسانیت سوز حربہ استعمال کیا۔ لیکن ان سب تلخ حقائق کو ماننے کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ اس نے ملک کے انتظام و انصرام میں بڑی دلچسپی لی اور لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کے لیے خاطر خواہ انتظامات کیے۔ چنانچہ اگر آج [آزادی سے] پہلے کے ریکارڈ کا جائزہ لیا جائے تو اس میں آپ کو قتل و غارت کے بہت کم واقعات ملیں گے۔ پھر اگر کبھی اس قسم کے چند واقعات ہو بھی جاتے تھے تو ان کی بڑی تیزی سے گنتی ہوتی تھی۔ مجرم اکثر و بیشتر گرفتار کر لیے جاتے اور انہیں اپنے جرائم کی قرار واقعی سزا ملتی۔ جس سے مجرموں کے حوصلے پست ہو جاتے اور وہ آج کی طرح بے خوف ہو کر انسانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت نہ کر سکتے تھے۔

ملکی نظم و نسق میں کمزوری

انگریز کے [یہاں سے] رخصت ہونے سے چند سال پیش تری ملک کا نظم و نسق کافی حد تک ڈھیلہ پڑ

گیا تھا۔ اس وجہ سے سلج دشمن عناصر کے حوصلے بڑھنے لگے۔ ایک طرف تو ان پاپندیدہ عناصر کی سرگرمیاں تیزی سے بڑھتی رہیں اور دوسری طرف مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں میں اختلافات کی ایک ایسی خلیج حائل ہوتی رہی، جس نے بالآخر ایک دوسرے کے خلاف شدید منافرت کی صورت اختیار کر لی۔ غنڈوں نے جذبات کی اس تلخی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اپنی قوم کے ہیرو بن کر دوسری قوم کے افراد کا گلا گلے میں مختلف جتھوں کی رہنمائی کی۔

پاک و ہند کی تاریخ میں اس دور سے زیادہ کوئی تاریک دور نہیں ملتا، جب ۱۹۴۷ء میں ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں نے خون خوار لوگوں کی سرکردگی میں ان گنت بے گناہ اور بے کس انسانوں کا قتل عام کیا۔ امن پسند شہریوں کی جاہل ادیس لوٹیں اور جلائیں۔ معصوم اور بے کس عورتوں کی عصمت دری کی اور چھوٹے چھوٹے بچوں تک کو بڑے دروناک طریقے سے وحشت کا نشانہ بنایا۔ جن لوگوں نے وہ روح فرسا مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں، ان کے جسم پر آج بھی ان حالات کے تصور سے لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

حصول آزادی کے وقت برعظیم کے مختلف علاقوں میں انسان نے انسان کا جو حشر کیا، اس سے نہ صرف انسانی اقدار کی مٹی پلید ہوئی بلکہ خود انسانی جان کا احترام بالکل ختم ہو کر رہ گیا۔ یوں لگتا ہے کہ جنگوں اور دیرانوں میں وحشی جانور اور درندے تو ایک دوسرے کو گوارا کر رہے ہیں، لیکن انسان ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بن چکا ہے اور وہ بالکل معمولی اشتعل پر اس کی زندگی کا چراغ گل کرنے پر تل جاتا ہے۔

ملک آزاد ہونے کے بعد جن لوگوں کے ہاتھ میں زمام کار آئی، ان کا یہ فرض تھا کہ انسان کے منہ کو انسانی خون کی جو چاٹ لگ گئی ہے، اس کی کوئی فکر کرتے۔ لیکن تقسیم ملک کے پیچیدہ مسائل اور الجھنوں نے بعض فرض شناس اصحاب اقتدار کو بھی اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ نتیجہ یہ کہ آدم خور انسان بڑے مزے اور اطمینان کے ساتھ انسانی خون سے لذت حاصل کرتے رہے۔ کچھ مدت گزر جانے کے بعد رفتہ رفتہ اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں منتقل ہو گیا، جو عوامی تائید و حمایت سے یکسر محروم تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنے ناجائز اقتدار کی حفاظت کے لیے جہاں حکومت کی انتہائی مشینری کو بے دریغ استعمال کیا، وہاں غنڈوں کی خدمات سے بھی فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ یہ رجحان اگرچہ قیام پاکستان سے پہلے ہی کسی حد تک شروع ہو چکا تھا، لیکن بعد میں بتدریج اس خطرناک پالیسی پر عمل درآمد بڑھنا شروع ہو گیا اور غنڈا اور غنڈے کا سرپرست ہماری سیاسی زندگی میں ایک فعال عنصر کی حیثیت سے آگے بڑھنے لگا۔

ایک مدت سے حالت یہ ہے کہ ایک طرف ملک کا نظم و نسق بالکل درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے۔ حکومت کے کارندے اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے بجائے اپنا پورا وقت اور ساری صلاحیتیں برسر اقتدار گروہ کے مغالوت کی حفاظت اور پاسہبانی میں صرف کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ انہی خدمات پر ان کی ملازمت

اور ذاتی ترقی کا سارا دار و مدار ہے۔ دوسری طرف غنڈوں کے اندر اپنی غیر معمولی اہمیت کا شعور بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو معاشرے کے ناپسندیدہ عناصر سمجھنے کے بجائے ملک کی بہت بڑی کارکن، بلکہ فیصلہ کن قوت خیال کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان کے دل و دماغ میں یہ زعم پیدا ہو گیا ہے کہ اقتدار کی حفاظت اور اس کے ہاتھوں کی تبدیلی میں انہیں بڑی اہم حیثیت حاصل ہے۔ اونچے طبقوں میں ان کی پذیرائی کی وجہ سے ان کے عزائم بہت بڑھ گئے ہیں اور ان کی مہلت کا دائرہ کلنی وسیع ہو گیا ہے۔ اب وہ قانون نافذ کرنے والے اداروں سے بالکل بے خوف ہو کر بے گناہ شہریوں کی زندگیوں سے کھیل رہے ہیں۔ حکومت ان تلخ حقائق سے پوری طرح واقف ہے، لیکن وہ ان سے نظر پھلانگنے بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتی ہے۔ جب ایک اوباش اور بد اخلاق آدمی کو سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے تو اسے لامحالہ چھوٹ دینی پڑتی ہے۔ اسے اس امر کا اطمینان دلانا پڑتا ہے کہ جو جرم وہ کرے گا، اس کی اس سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ جب نظم و آئین کی پاسہن طاقتیں غنڈا گردی کی سرپرستی کرنے لگیں، تو اس وبا کا انتہائی خطرناک صورت اختیار کرنا کوئی ناقابل فہم بات نہیں ہے۔

دین سے بے تعلقی

قتل و غارت، غنڈہ گردی اور عزت و آبرو پر حملوں کی بڑھتی ہوئی واردات کے بنیادی اسباب میں سب سے بڑا سبب خدا سے بے خوفی اور دین سے بے تعلقی ہے۔ تہذیب و شائستگی، ضبط نفس، انسانی جان اور اس کا احترام پیدا کرنے میں جس قدر خدمت اللہ پر ایمان نے کی ہے، کسی اور چیز نے نہیں کی۔ ایمان ہی انسان کے لطیف احساسات کو ابھارتا اور اس کے اندر رحم اور شفقت کے احساسات کی آبیاری کرتا ہے۔ انسان جتنا دین سے دور ہوگا، اتنا ہی وہ خود غرض، بے رحم اور شقی القلب ہو گا۔ یہ احساس کہ انسان ایک روح رکھتا ہے جسے اگر تکلیف پہنچے تو وہ مالک الملک کے دربار میں ظالم کے خلاف فریاد کرتی ہے۔ یہ عقیدہ کہ جو کچھ ظلم و ستم وہ کر رہا ہے، اسے کوئی عظیم و خیر ذات دیکھ رہی ہے۔ اسے دنیا کی چند روزہ زندگی کے بعد اس ذات کی عدالت میں مجرم کی حیثیت سے پیش ہونا ہے۔ یہ احساسات درحقیقت ضبط نفس کے اہم ترین بنیادی محرکات ہیں۔ لیکن اسے اس ملک کی بد قسمتی کے سوا اور کیا کہا جائے کہ یہاں قوت و طاقت کے اس لازوال خزانے سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا ہے، بلکہ مسلسل ایسے اقدام کیے جا رہے ہیں، جن سے ہماری نئی پودان تصورات سے یکسر بیگانہ ہوتی جا رہی ہے۔

معاشرتی ڈھانچے کی تبدیلی

ہمارے معاشرتی ڈھانچے کو جس اتقانہ طریق سے تبدیل کیا جا رہا ہے، اس سے بھی جرائم کی رفتار میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ مغربی تہذیب کو اندھا دھند مسلط کرنے کی وجہ سے ہمارے ہاں بہت سی ذہنی اور

اخلاقی الجبئیں پیدا ہو گئی ہیں۔ صبر و قناعت کی جگہ معاشرے میں دولت کی ایک نہ مٹتی والی ہوس اور معیار زندگی بلند کرنے کی اندھا دھند کوشش نے لے لی ہے۔ ہر شخص حرام و حلال اور جائز و ناجائز کے حدود و قیود سے بالکل آزاد ہو کر اس کے حصول کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ اخلاق کی اس پامالی سے انسانی تعلقات کی تقدیس کو شدید نقصان پہنچا ہے اور انسان انھیں مجروح کرنے میں قطعاً کوئی ہاک محسوس نہیں کرتا۔ لوٹ کھسوٹ کے اس ریحان نے اپنے حدود اور دوسروں کے حقوق کا احترام تو درکنار، احساس تک ختم کر کے رکھ دیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسانی جان اور آبرو کے مقابلے میں بے جان نوٹوں کی قیمت کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔

ہم چونکہ مغربی تہذیب کے مہمار نہیں بلکہ صرف اس کے نقل ہیں، اس لیے اس کے اندر اچھائی کے جو پہلو ہیں، انھیں بھی کم بہتی کی وجہ سے اپنانے سے قاصر ہیں۔ البتہ اس کی برائیوں کو ہم بڑی سرعت اور خوش دلی کے ساتھ قبول کر رہے ہیں۔ اہل مغرب کی طرح ہم میں نہ تو احساس ذمہ داری ہے، نہ آئین و قانون اور اجتماعی زندگی کے ضابطوں کا احترام اور نہ اپنے کام اور مقصد کی کوئی گہری نگرانی ہے۔ ہم نے اگر وہاں سے کچھ لیا بھی ہے تو عربی، فحاشی، شراب خوری، اخلاق سوز فلمیں اور انسانیت سوز ادب!

ہمارا نوجوان اس بات کا تو بڑا دلدادہ ہے کہ وہ مغربی نوجوانوں کی طرح رقص و سرود کی مجالس میں بے دھڑک شریک ہو، عورتوں پر آوازے کسے، موٹروں اور سکوٹروں کی چوری کرے اور بینکوں اور بڑے بڑے اداروں پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے عجیب و غریب منصوبے بنائے۔ لیکن اس کے دل میں یہ جذبہ کبھی موجزن نہیں ہوتا کہ وہ مدرسوں، کالجوں، یونیورسٹیوں یا کام کاج کے دوسرے مراکز میں اس انتہاک، یکسوئی اور ریاضت کا ثبوت دے جو ہمیں مغربی اداروں، دفاتر اور کارخانوں میں نظر آتی ہے۔ ہماری نئی پود نے مغرب سے جو کچھ لیا ہے اس میں بجز ذہنی اور اخلاقی آوارگی، غیر ذمہ دارانہ طرز عمل، ہنگامہ آرائی اور شور و شہ پندی کے کوئی تعمیری جذبہ نظر نہیں آتا۔ ایک طرف نوجوانوں کے قلب و دماغ میں اس قسم کے خوفناک رجحانات پرورش پا رہے ہیں اور دوسری طرف فلموں اور جاسوسی فلموں کے ذریعے انھیں قتل و عارت، ڈاکہ زنی، اغوا اور پھر ان جرائم کی پاداش سے بچنے کے مختلف گر سکھائے جاتے ہیں، جنہیں آزمانے کے لیے وہ مغرب کے کچھ آبرو باختہ لوگوں کی تقلید میں بڑے گھٹاؤ نے جرائم کا بے جھجک ارتکاب کرتے ہیں۔

اخبارات میں جرائم کے جو واقعات ہر روز سامنے آتے ہیں ان کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ان میں سے بہت بڑی تعداد ایسے مجرموں کی ہوتی ہے جنہوں نے کہیں دور دراز علاقوں میں قانون کی آنکھ سے چھپ کر تربیت نہیں پائی ہے بلکہ ہمارے ان شہروں کے نہایت ہی منذب اور بارونق حصوں میں قانون کے عین زیر سایہ رہ کر یہ تربیت حاصل کی ہے۔

ہمارے ملک کا معاشرتی نظام جس برق رفتاری سے تبدیل ہو رہا ہے اس نے عوام کو بالکل حواس باختہ

کر دیا ہے۔ نئی تبدیلیاں اور خصوصاً ایسی تبدیلیاں جو ان کے قومی مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں، ان کی قوت فکر اور ان کے انفرادی اور اجتماعی اخلاق کے لیے انتہائی تباہ کن ثابت ہو رہی ہیں اور ان سے لوگوں کے افکار و جذبات میں بڑا انتشار پیدا ہو گیا ہے۔ اہل یورپ کے ہاں اگر تھوڑا بہت ذہنی اور جذباتی سکون باقی ہے تو اس کی بڑی وجہ یونین اور روم کا وہ فلسفہ اور طرز فکر ہے، جس کی بنیاد پر مغربی تہذیب کا محل تعمیر کیا گیا ہے، لیکن ہمارے ہاں بد قسمتی سے جو کچھ ہو رہا ہے وہ بالکل غیر محقول اور ناقابل فہم ہے۔ ہم اپنے ملک کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام کی مغربی تہذیب کے عین مطابق تعمیر نو کرنا چاہتے ہیں، لیکن اس بات کو یکسر نظر انداز کر رہے ہیں کہ یہ تمدن ایک ایسے بلوی طرز فکر کا فطری نتیجہ ہے جس نے مدت ہائے دراز تک مغربی ذہنوں کی آبیاری کی ہے۔ اس بنا پر اہل مغرب اپنے نظام حیات اور فکری پس منظر کے درمیان کوئی تصادم نہیں پاتے اور وہ اس کی جکڑ بندیوں کو بڑی خوش دلی کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں مگر پاکستان میں مختلف صورت حال درپیش ہے۔ یہاں کے عوام کی عقلمندی اکثریت کا مزاج بنیادی طور پر اس نظام فکر و عقائد کو قبول نہیں کرتا، جو اس کے اوپر زبردستی ٹھونسنا جا رہا ہے۔ جو نظام قلب و دماغ کو مطمئن کیے بغیر مسلط کیا جائے گا، وہ لوگوں کے لیے ایک ناقابل برداشت بوجھ ہو گا اور اسے نافذ کرنے اور قائم رکھنے کے لیے بہت سی ٹارو پابندیوں بلکہ شدید جکڑ بندیوں سے کام لینا پڑے گا۔

اس صورت حال نے ہمارے عوام کو اپنے مستقبل سے سخت مایوس کر دیا ہے۔ وہ جب سیاسی زندگی کی طرف نگاہ ڈالتے ہیں تو اپنے آپ کو بے بس پاتے ہیں۔ جب تعلیمی نظام میں کسی تبدیلی کے آرڈومنڈ ہوتے ہیں تو وہاں انھیں قدم قدم پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ معاشی میدان میں سرمایہ دار بڑے اطمینان کے ساتھ جو تکف کی طرح ان کا لو چوستا ہے۔ وہ اس سے جان نہیں چھڑا سکتے اور اگر کبھی ایسا کرنے کی جسارت بھی کرتے ہیں تو گولیوں سے ان کی تواضع کی جاتی ہے۔ بے بسی کے اس عالم میں بعض لوگوں کے جذبات ہمک کر بالکل غلط سمت اختیار کر لیتے ہیں اور ان کے اندر بھرمناہ ذہنیت پرورش پانے لگتی ہے۔

جرائم روکنے کی تدابیر

بڑھتے ہوئے جرائم کے ان بنیادی اسباب میں سے بہت سے اسباب ایسے ہیں، جن کا تدارک حکومت کی تدبیر کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ بعض ایسی تبدیلیوں کا تقاضا کرتے ہیں، جو افراد کے بس میں نہیں ہیں۔ لیکن نہ تو سب کچھ حکومت کی تدبیر پر موقوف ہے، اور نہ ہم حکومت کی تدبیر کے انتظار میں قتل و عمارت کی اس گرم بازاری کے خاموش تماشاخی بن کر بیٹھے رہ سکتے ہیں۔ ہمارے معاشرے کے جن لوگوں کو بھی اس صورت حال کی کربناکی کا کچھ احساس ہے، ان کا فرض ہے کہ اس کی روک تھام کے لیے جو کچھ بھی وہ کر سکتے ہیں، اس میں کوتاہی نہ کریں۔

اس ضمن میں پہلا قدم یہ ہے کہ ہم عوام الناس کے قلب و دماغ میں اس غیر معمولی احرام کا نقش بٹھائیں، جو اسلام انسانی جان کے لیے قائم کرنا چاہتا ہے، تاکہ انھیں اس امر کا احساس ہو کہ انسانی جان کا زیاں کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے، بلکہ اپنے لیے شدید عذاب کو دعوت دیتا ہے۔ ہمارے ملک کے عوام کافر نہیں ہیں۔ خدا اور رسول اور آخرت کے منکر نہیں ہو گئے ہیں۔ وہ صرف غفلت کا شکار ہیں جسے دور کرنے کے لیے تذکیر کی ضرورت ہے۔ اس گئی گزری حالت میں بھی ان کی اصلاح کے لیے اگر کوئی چیز کارگر ہو سکتی ہے تو وہ باہر سے لایا ہوا کوئی فلسفہ نہیں بلکہ خدا اور اس کے رسول کی تعلیم و ہدایت ہی ہے۔

جرم قتل کی سنگینی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے قتل کے پہلے واقعے کا جس انداز سے ذکر فرمایا ہے، اس سے اس جرم کی سنگینی، اس کے مفاسد اور قاتل کی مجرمانہ ذہنیت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے:

(ترجمہ) اور ذرا انھیں آدم کے دو بیٹوں کا قصہ بھی بے کم و کاست سنا دو۔ جب ان دونوں نے قریبی کی تو ان میں سے ایک کی قریبی قبول کی گئی اور دوسرے کی نہ کی گئی۔ اس نے کلمہ ”میں تجھے مار ڈالوں گا“۔ اس نے جواب دیا: ”اللہ تو متقیوں ہی کی نذریں قبول کرتا ہے۔ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گنہ تو ہی سمیٹ لے اور دوزخی بن کر رہے۔ ظالموں کے ظلم کا یہی ٹھیک بدلہ ہے۔“ آخر کار اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل اس کے لیے آسان کر دیا اور وہ اسے مار کر ان لوگوں میں شامل ہو گیا جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔ پھر اللہ نے ایک کو ابھی جو زمین کھودنے لگا تاکہ اسے بتائے کہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے۔ یہ دیکھ کر وہ بولا: ”افسوس مجھ پر! میں اس کو بے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپانے کی تدبیر نکال لیتا۔“ اس کے بعد وہ اپنے کیے پر بہت پچھتایا۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل پر ہم نے یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ ”جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فسق پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخشی دی (العنکبوت ۵۷-۲-۳۲)۔

سورہ مائدہ کی آیات کے ترجمے کا مطالعہ کرنے سے پہلی بات جو سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ قتل کا ارادہ ایک ایسے بیمار ذہن کے اندر پرورش پاتا ہے جو انسانیت کے پاکیزہ احساسات سے یکسر محروم ہو چکا ہو۔ جس کی ذہنیت اس حد تک بگڑ چکی ہو کہ وہ اپنی ناکامیوں اور نامرادیوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بجائے ان لوگوں کی جان کا دشمن بن جائے جو کامیاب اور بامراد ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قاتل انسانیت

کے مشترک احساسات سے یکسر عاری ہوتا ہے۔ اس کے نفس میں اتنا خبیث بھر جاتا ہے کہ وہ اپنے اندر جھانک کر دیکھنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ البتہ اسے اپنے گرد و پیش جو لوگ بھلے معلوم ہوتے ہیں انھیں مٹانے کا ارادہ کرتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس قسم کی ذہنیت کا کوئی سلیم العقل انسان تو مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ یہ مجرمانہ طرز فکر وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جو پاؤں لے ہو چکے ہوں۔

اس بیمار ذہنیت کے مقابلے میں ایک صحت مند اور معقول انسان کا رویہ یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے بھائی کا گلا کاٹنے کے بجائے اس کی زیادتی کو بڑے صبر و تحمل اور بردباری کے ساتھ برداشت کرتا ہے۔ وہ اپنے دشمن کے ارادۂ قتل پر مطلع ہونے اور اس کے نپاک عزائم کو جاننے کے باوجود اس غیر انسانی فعل کی اپنی طرف سے ابتدا نہیں کرتا۔ یہاں یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام ہمیں یہ تعلیم نہیں دے رہا کہ ہم خود آگے بڑھ کر اپنے آپ کو قتل کے حوالے کر دیں، یا ظالمانہ حملے کی مداخلت سے باز رہیں۔ وہ جو چیز ہمارے ذہن نشین کرانا چاہتا ہے، وہ صرف یہ ہے کہ اس حقیقت کو جاننے ہوئے بھی کہ دشمن گھلت میں لگا ہوا ہے، اپنی حفاظت کی فکر تو کرنی چاہیے، البتہ اس کے قتل کی فکر نہ کرنی چاہیے۔ اور اس بات کو ترجیح دینی چاہیے کہ ظالمانہ اقدام دوسرے کی طرف سے ہو اور آپ کا دامن ابتداً بالقتل سے بالکل پاک رہے۔ اسی بنا پر بعض اکابر نے خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ کے آخری طرز عمل کو اسی آیت کی عملی تفسیر قرار دیا ہے یعنی آپ اقدام قتل سے آخر وقت تک اجتناب کرتے رہے۔ اپنا گلا کٹوانا گوارا کر لیا لیکن اس بات کو گوارا نہ کیا کہ کسی مسلمان کے خون سے ان کے ہاتھ رنگین ہوں۔

بعض مترجمین نے اِنَّنِيْ اَخْلَفْتُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ المعلقہ ۲۸۵۵) کا ترجمہ کرتے وقت لفظ ”کیونکہ“ بڑھا دیا ہے۔ مطلب یہ کہ ہاتھ اگر تھیل کی اشتعل انگیزی کے باوجود اس کے خلاف ہاتھ اٹھانے سے اجتناب کرتا رہا تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ اس کے مقابلے میں بزدل اور کمزور تھا یا وہ اس کے خلاف نبرد آزما ہونے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ دراصل جو چیز اسے اس اقدام سے باز رکھ رہی تھی وہ پروردگار عالم کا خوف تھا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ خدا کا خوف نہ صرف انسان کو ہر قسم کے ظلم و زیادتی سے باز رکھتا ہے بلکہ انتہائی پر آشوب حالات میں بھی اس کے دماغی توازن کو برقرار رکھنے میں اس کی معاونت کرتا ہے اور اسے اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اپنے دامن کو ظلم سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

اس موقع پر رب العالمین کے الفاظ بھی بڑے معنی خیز ہیں جو قرآن مجید کے کمال بلاغت کو ظاہر کرتے ہیں۔ امام راغبؒ نے مژدنت میں اللوب کے معنی یہ بیان کیے ہیں: هو انشاء الشيء حالاً فعالاً الى حد النعمان (رب وہ ہے جو کسی چیز کو بہ تدریج نشوونما دے کر حد کمال تک پہنچائے)۔ ہاتھ جب قاتلانہ عزائم

رکھنے والے بھائی کے مقابلے میں ہر قسم کے اشتعل سے پروردگار عالم کے خوف کا ذکر کرتے ہوئے اجتناب کرتا ہے تو اس میں یہ بات بھی مضمر ہے کہ وہ انسانی زندگی پر ہاتھ ڈال کر اس نظام سے بعثت کا ارتکاب نہیں کرنا چاہتا جو رب العالمین نے اپنی مخلوق کے حفظ و بقا اور تدریج و ترقی کے لیے قائم کر رکھا ہے۔ وہ اس خدائی نظام ربوبیت میں مددگار بننا چاہتا ہے جس میں انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اب جو شخص بھی اس مقدس نظام کے خلاف عمل کرتا ہے، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بعثت کا ارتکاب کرتا ہے۔ اسی بنا پر شرک کے بعد دوسرے درجے پر جس جرم عظیم کا ذکر کیا گیا ہے، وہ قتل ہے:

جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے۔ (الفرقان ۲۵:۶۸)

پھر قتل مومن کے سلسلے میں تو وعید اس سے بھی زیادہ شدید اور سخت ہے۔ اس کی جسارت کرنے والے کے لیے تو وہی سزا رکھی گئی ہے جو کافروں کے لیے مخصوص ہے:

ربا وہ شخص جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ (النساء ۲۳:۹۳)

احترام انسان

حضور سرور کائنات کی بے شمار احادیث انسانی جان کے احرام کی تعلیم و تلقین سے بھری پڑی ہیں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ کبائر کی تصریح کرتے ہوئے فرمایا:

بڑے گناہ یہ ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھیرانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، انسانی جان کو ہلاک کرنا اور جھوٹ بولنا۔ (مسلم)

دوسری حدیث میں قتل نفس کو ماں باپ کی نافرمانی سے پہلے، شرک کے متصل بیان فرمایا گیا ہے:

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبائر کے بارے میں بیان فرمایا، یا آپؐ سے کبائر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، انسان کو قتل کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ (مسلم)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین آدمی سب سے زیادہ غضب کے مستحق ہیں، ایک وہ جو حرم [کعبہ] میں بے اعتدالی کرے (مثلاً خون، خرابہ شکار وغیرہ) دوسرا وہ جو اسلام میں جاہلیت کے طریقے چلانے کی کوشش کرے اور تیسرا وہ جو کسی انسان کا ناحق خون بہانے کے درپے ہو۔ (بخاری)

مسلمان تو مسلمان، اسلام میں تو اس کافر کا خون برانا بھی گناہ عظیم ہے، جس کو اسلامی حکومت میں ذی کی حیثیت حاصل ہو چکی ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی ایسے شخص کو مار ڈالے جس سے معاہدہ کیا جا چکا ہو، وہ بہشت کی خوشبو بھی نہ سونگھے گا حالانکہ بہشت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے بھی محسوس ہو جاتی ہے۔ (بخاری)

اب ذرا ایک نگاہ حضور سرور عالمؐ کے ان ارشادات پر بھی ڈال لیں جو حضورؐ نے مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کے معاملے میں مختلف مواقع پر فرمائے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کس شخص کا اسلام بہتر ہے؟ فرمایا: جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ (بخاری)

مسلمان کے خلاف صف آرا ہونے کو ایک دوسرے مقام پر کفر سے تعبیر کیا گیا ہے:

”عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ مسلمان کو گلی دینا فسق اور اس سے لڑنا کفر“۔ (مسلم)

حضور سرور عالمؐ نے مسلمانوں کو بڑی تاکید کے ساتھ مسلمان کی جان کے بارے میں وصیت فرمائی اور قتل مسلم کو کفر اور ارتداد جیسا گناہ ناقص قرار دیا۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد پلٹ کر کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ (بخاری)

اب ذرا حجۃ الوداع کے خطبے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر بھی غور کر لیجیے:

حضور سرور کائناتؐ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسولؐ سب سے بہتر جانتے ہیں، (ابوبکرؓ) کہتے ہیں آپؐ اتنی دیر خاموش رہے کہ ہم خیال کرنے لگے کہ شاید آپؐ اس دن کا کچھ اور نام رکھنے والے ہیں۔ پھر حضورؐ نے فرمایا: کیا یہ یوم الخیر نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! ہاں آج بے شک یوم الخیر ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: اچھا یہ شہر کون سا ہے؟ کیا یہ (حرمت والا) شہر (مکہ) نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا بے شک یا رسول اللہؐ یہ حرمت والا شہر کہ ہی ہے۔ تب آپؐ نے فرمایا: دیکھو تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری عزت و آبرو اور تمہارے جسموں کی کھالیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسے اس دن کی حرمت اس مہینے اور اس شہر میں۔ سنو، میں نے اللہ کا حکم تم کو پہنچا دیا یا نہیں؟ ہم نے کہا بے شک آپؐ نے پہنچا دیا۔ اس وقت آپؐ نے دعا کی، اے اللہ گواہ رہنا اور فرمایا جو لوگ یہاں موجود ہیں، میرا یہ گناہ ان لوگوں تک پہنچا دیں جو موجود نہیں۔ (بخاری)

سرور کائناتؐ نے مسلمانوں پر ہاتھ اٹھانے والوں کو امت اسلامیہ سے خارج قرار دیا ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہم پر ہتھیار
اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں۔ (مسلم)

جو شخص ایک مرتبہ زبان سے کلمہ شہادت ادا کر دے خواہ وہ خوف کی وجہ سے ہی ایسا کر رہا ہو، اس کے
قتل کو بھی اسلام نے گناہ عظیم قرار دیا ہے۔ حضرت مقداد بن اسود کی روایت ہے:

انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ، اگر میری کافر سے لڑ بھیز ہو جائے اور وہ مجھ پر حملہ کر کے میرا ایک ہاتھ
تکوار سے کٹ دے۔ پھر مجھ سے بچ کر ایک درخت کی اوٹ میں پناہ لے لے اور کہے کہ میں
ایمان لے آیا ہوں۔ کیا اس حالت میں اسے قتل کر دوں؟ اس پر حضورؐ نے فرمایا، اسے مت قتل
کرو۔ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی۔ یا رسول اللہؐ اس نے میرا ہاتھ کٹ دیا ہے اور اس کے
بعد ایمان کا اظہار کرتا ہے۔ حضورؐ نے پھر فرمایا۔ مت قتل کرو اس کو! (اگرچہ تجھ کو اس سے صدمہ
پہنچا اور زخم لگا) اگر تو اسے قتل کرے گا تو اس کا وہی حال ہو گا جو اس جرم کے ارتکاب سے پہلے
تیرا حال تھا اور تیرا حال وہ ہو گا جو اس کا حال یہ کلمہ ادا کرنے سے پہلے تھا۔ (مسلم)

امام نوویؒ نے اس حدیث کے مطلب میں علما کے اختلاف کو نقل کرنے کے بعد امام شافعیؒ اور ابن
قصار المالکیؒ کا یہ قول درج کیا ہے: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تو اس کا
خون ویسا ہی معصوم اور اس کا قتل ویسا ہی حرام ہو گیا جیسا تیرا خون اور تیرا قتل، اسے قتل کرنے سے پہلے تھا
اور تو اسے قتل کرنے کے بعد ویسا ہی ہو گیا جیسا وہ لا الہ الا اللہ کہنے سے پہلے تھا۔ یعنی نہ تیرا خون معصوم
اور نہ تیرا قتل حرام۔ (شرح مسلم، ج ۱، ص ۳۹)

اسی طرح سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ شہادت زبان سے ادا کرنے والے کو قتل کرنے سے
بڑے سخت الفاظ میں منع فرمایا ہے:

حضرت اسامہ بن زیدؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے ہمیں ایک جنگی مہم پر بھیجا۔ ہم حرقات کے ایک قبیلے
سے نبرد آزما ہوئے۔ ہم نے وہاں ایک شخص کو گرفتار کر لیا۔ اس نے فوراً لا الہ الا اللہ کہہ لیا۔ لیکن
میں نے برہمی سے اس کو مار دیا۔ اس کے بعد میرے دل میں اس فعل پر ایک غلش پیدا ہوئی۔ میں نے
رسول اللہؐ سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: کیا اس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا اور تو نے اسے مار
ڈالا؟ میں نے عرض کیا، اس نے ہتھیار کے خوف سے یہ الفاظ کہے تھے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا: ”کیا تو
نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا تاکہ تجھے معلوم ہوتا کہ اس کے دل نے یہ کلمہ کہا تھا کہ نہیں۔ حضرت اسامہ
بن زیدؓ کا کہنا ہے کہ حضورؐ یہ کلمات بار بار دہراتے رہے، یہاں تک کہ میں نے آرزو کی، ”کاش میں نے اسی
دن اسلام قبول کیا ہوتا۔“

اسی حدیث کی ایک دوسری روایت جو منقول ہوئی ہے، اس کے آخر میں حضورؐ کے الفاظ ایسے ہیں،
جن سے اسامہؓ کے اس فعل پر آپؐ کے شدید اضطراب کا اندازہ ہوتا ہے:

حضورؐ نے جب اسلامؐ سے اس واقعے کے بارے میں دریافت فرمایا تو حضرت اسلامؐ نے کہا: ”یا رسول اللہ! اس نے مسلمانوں کو شدید اذیت دے رکھی تھی اور فلاں فلاں کو شہید کر دیا تھا۔“ اس کی صراحت میں حضرت اسلامؐ نے چند افراد کے نام بھی لیے۔ پھر کہا: لیکن جب میں اس پر غالب آیا تو اس نے تکواریں کے ڈر سے لا الہ الا اللہ کہنا شروع کر دیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: ”کیا تو نے پھر بھی اسے قتل کر دیا؟“ انھوں نے کہا ”ہاں۔“ اس پر رسالت ماب نے فرمایا: ”تو لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دے گا۔ جب وہ قیامت کے دن پیش ہو گا؟“ حضرت اسلامؐ نے عرض کیا: ”حضور میرے لیے بخشش کی دعا فرمائیں۔“ لیکن آپؐ بار بار یہی بات دہراتے کہ کیا جواب دے گا تو لا الہ الا اللہ کا ”جب وہ آئے گا قیامت کے دن۔“ (مسلم)

قتل مومن تو خیر بڑا سنگین جرم ہے۔ حضور سرور عالمؐ نے تو اس شخص کو بھی لعنت کا مستحق قرار دیا ہے جو کسی مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرتا ہے۔ (مسلم) حضور سرور کائناتؐ نے مسلمانوں کو اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ وہ تیروں اور نیزوں کو لے کر یونہی بازاروں، مساجد یا اجتماعی زندگی کے دوسرے مراکز میں آجائیں۔ انھیں اس ضمن میں اس بات کی سخت ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ان کے ضرر رساں حصوں کو پوری طرح ڈھانک کر رکھیں تاکہ ان سے کسی کو غفلت میں بھی کوئی گزند نہ پہنچنے پائے۔ امام نوویؒ نے کہا ہے کہ یہ حکم صرف حیر، نیزے یا تکواریں پر ہی حاوی نہیں بلکہ اس کے تحت ہر وہ ہتھیار یا چیز آ جاتی ہے۔ اس سے ضرر پہنچنے کا کوئی احتمال موجود ہو۔ (مسلم، شرح نووی، ج ۲، ص ۲۲۸)

قیامت کے روز ایک شخص جب اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہو گا تو اس سے پہلا سوال انسانی خون کے بارے میں ہی کیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ نے حضورؐ کا فرمان یوں روایت کیا ہے:

قیامت کے روز لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون کے مقدمات کا فیصلہ ہو گا (مسلم)۔

امام نوویؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: چونکہ یہ جرم بڑا سنگین ہے اس لیے اللہ تعالیٰ سب سے پہلے اسی کے بارے میں قیامت کے روز باز پرس کرے گا۔ اس حدیث کا اس حدیث سے کوئی تعارض نہیں ہے، جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ حقوق اللہ میں سے نماز اولین اہمیت کی حامل ہے اور حقوق العباد میں انسانی جان کا احترام بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ (امام نوویؒ، شروح مسلم، ج ۲، ص ۶۰)

اللہ اور اس کے رسولؐ کے یہ احکام لوگوں کو یاد نہیں رہے۔ اسی وجہ سے مسلمان، مسلمانوں کی گردنیں مار رہے ہیں اور اس بات کا کسی کو کم ہی احساس ہوتا ہے کہ یہ عظیم جرم ہے جس کا بوجھ وہ اپنی گردن پر لے رہا ہے۔ آج ہم اگر اس کی روک تھام کے لیے اور کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم یہ تو کر سکتے ہیں کہ ان احکام کو زیادہ سے زیادہ مسلمانوں تک پہنچائیں۔ شاید بھولے سبق یاد آنے سے ان کے ہاتھ قتل ناحق سے رک جائیں۔